سہ حرفی

مختار صدیقی

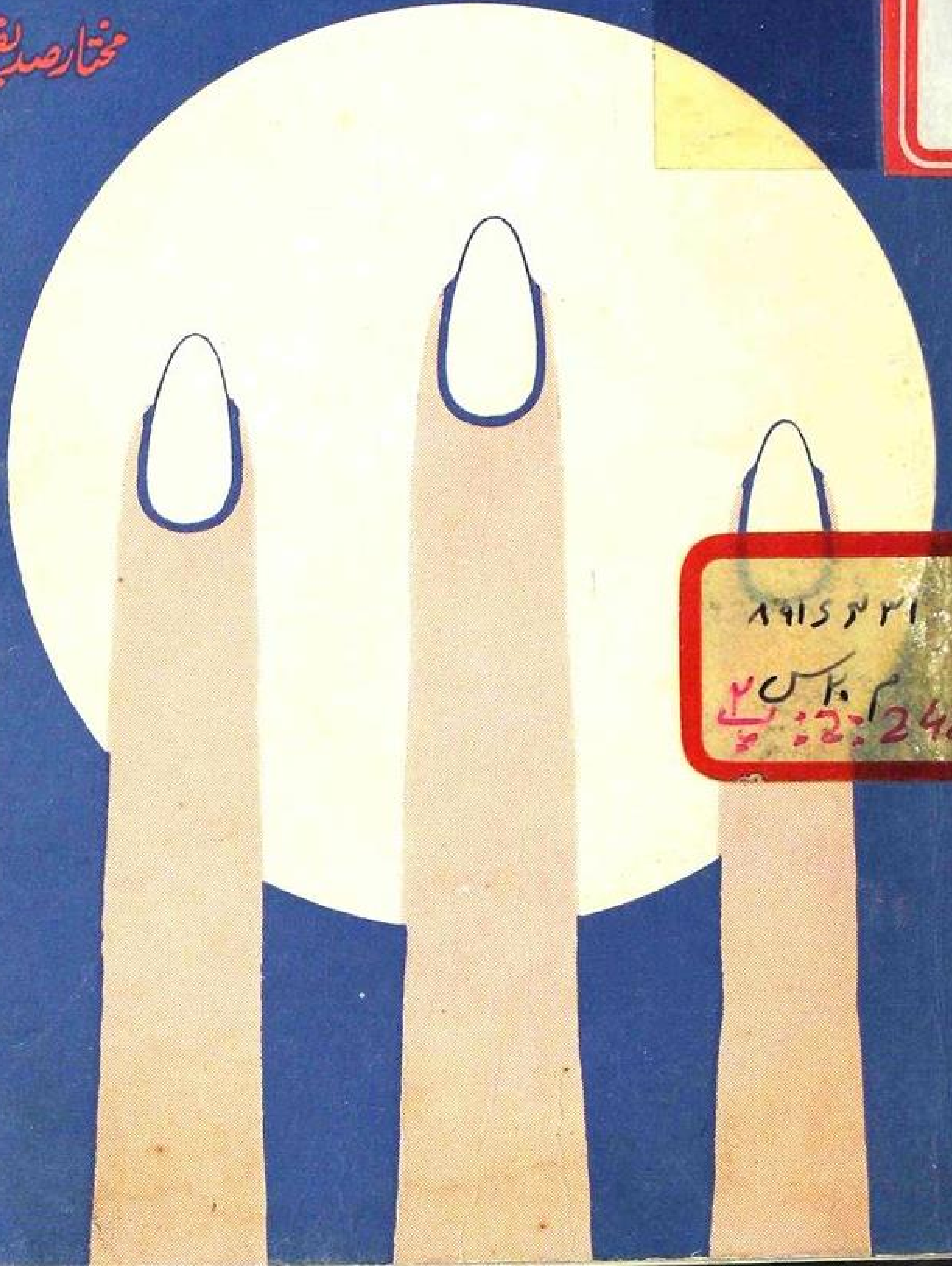

۳۲۷۸۵

۱۳۲ ک ۸۹۱

248

سی حرفی

مختار صدیقی

۸۹۱۵۶۳۱
۳۰۲
س
۱۰۳۲۲

(جملہ حقوق محفوظ)

تعدادِ اشاعت (بار اوّل) :——— ۱۰۰۰
مطبوعہ :— گولڈن بلاک ورکس، کراچی
قیمت : 12/50

طابع :
مکتبہ طبع زاد۔ ۹ کراچی چیمبرز، گرانٹ روڈ۔ کراچی

صاحب طرز نثر نگار اور شاعر ابن انشاء مرحوم
کی یاد میں یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند
کی لائبریری کو پیش کی جاتی ہے۔

حرفِ آغاز

سی حرفی ، پنجابی شاعری کی مشہور صنف ہے۔ اس میں یہ التزام ہوتا ہے کہ ابجد کے ہر حرف سے شروع کر کے چار مصرعوں کا ایک قطعہ لکھا جاتا ہے۔ ان قطعات میں موضوع کی قید نہیں ہوتی۔ زندگی کا کوئی تجربہ، مشاہدۂ کائنات کی کوئی کیفیت، کسی احساس کی پرچھائیں، یا کسی جذبے کا کوئی پہلو، اِن قطعات کے چار مصرعوں کی پہنائی میں سمویا جاتا ہے اور عام طور پر آخری مصرعہ میں شاعر کا تخلص اس رعایت سے آتا ہے جس سے محض "ملکیتِ شعر" ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں کبھی اپنے آپ سے (اور اس طرح عالمِ انسانیت سے) خطاب کر کے (کوئی) کہنے کی کسی بات

کو مستند بنایا جاتا ہے، یا اپنے تجربے اور مشاہدے کی گیرائی پر انفرادیت کی چھاپ لگائی جاتی ہے۔

اس طرح ہیئت کے لحاظ سے پنجابی شاعری میں جو مشہور سی حرفیاں ہیں، اُن میں ہر بند ایسے لفظ سے شروع ہوتا ہے، جس کا پہلا حرف خاص التزام سے وہ ہو، جس کی ابجد کے ترتیب سے باری آگئی ہو، مثلاً پہلا بند "الف - اللہ" سے شروع ہوگا، تو آخری بند، "ی - یثرب" پر ختم ہوگا۔

بعض سی حرفیوں میں یہ رعایت البتہ رکھی گئی ہے کہ کسی ایک حرف سے شروع ہونے والے ایک کی بجائے کئی کئی بند کہے گئے ہیں، اور باقی حروف کے تابع، محض ایک قطعہ ہے۔ اس کی مشہور مثال حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی سی حرفی ہے۔

"حرف و سخن" اسی طرح کی سی حرفی ہے۔ اس میں حروف اور

قطعات کی تعداد معین اور مخصوص نہیں ہے۔ الف، ب، پ، د، س وغیرہ حروف کے سلسلے میں کئی کئی قطعات ہیں اور کئی حروف محض ایک قطعہ کے تحویل دار ہیں۔

تکنیکی لحاظ سے اس کا کوئی جواز میں پیش نہیں کرسکتا، "حرف و سخن" کے یہ قطعات زیادہ تر ۵۸ء سے ۶۱ء تک کہے گئے۔ میں نے اُن دنوں میں شعوری طور پر یہ کوشش نہیں کی تھی کہ کسی ایک حرف سے شروع ہونے والا کوئی مناسب لفظ ڈھونڈوں اور اس پر ایک قطعہ یا ایک سے زیادہ قطعات کہتا چلا جاؤں۔ ایک حرف کے تابع، ایک سے زیادہ قطعات جہاں کہیں اس کتاب میں ہیں، اس کی وجوہ، اب غور کرنے پر، یہ سامنے آتی ہیں:

۱۔ کسی ایک حرف کی مناسبت سے کوئی لفظ ذہن میں آیا، تو وہ اپنی اسمی یا صفتی تقریب سے میری زندگی کے تجربات، مشاہدات اور یادوں

کے بہت سے تلازمات ساتھ لایا، میں نے ان کے کچھ پہلو ایک سے زیادہ بندوں میں اسی لفظ کو عنوان بنا کر نظم کر دیئے۔ اس طرح ان بندوں میں ایک آزاد تسلسل اور مخفی ربط پیدا ہو گیا۔ اس کی ایک مثال آپ کو پ ــــ پیار کے بندوں میں ملے گی۔

۲۔ کسی ایک خیال کو میں نے (کسی حرفی یا لفظی رعایت، اہتمام کے بغیر) ایک بند میں نظم کیا تو بعد میں اس سے تسلسل اور ربط کے اور پہلو نکلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ چنانچہ میں نے ان کو ایک ہی موضوع کے مختلف پہلوؤں کی صورت میں، ایک حرف کے تابع نظم کیا۔ اس کی مثال ــ س ــــ سانس کی ڈوری کے بند ہیں۔

۳۔ کوئی تجربہ یا مشاہدہ اپنے مختلف ادوار یا پہلوؤں کے ساتھ بھی ایک ہی حرف کے تحت نظم کرنا پڑا، تاکہ اس میں تجربے کی یک جہتی قائم رہے۔ اس کی مثال، دید، حیرتِ نظارہ اور وصال ــــ آج ملے

وغیرہ کے مسلسل قطعات ہیں۔

مندرجہ بالا باتوں کی وجہ سے اس "سی حرفی" میں یہ التزام کسی جگہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس میں کسی ایک موضوع پر، مربوط اور مسلسل قطعات مناسب عنوان کے تحت ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔

موضوعات کے اعتبار سے اس میں جو رنگا رنگی ہے، اس کے بارے میں میری شعوری کوشش صرف اتنی تھی کہ اب جو سعدیؔ کی بتائی ہوئی فکر انگیز حدِ عمر گزر چکی، تو جو کچھ گزری، اس کا جائزہ لیا جائے اور محاکمہ کیا جائے اور اس کا تشخص کیا جائے۔ اِس فکری اور محاسباتی عمل نے، جو باتیں زندگی کی مختلف واردات کے بارے میں سجھائیں وہ نظم کی گئیں تاکہ اپنی شخصیت کے اجزا کے ربط، اور یک آہنگی (INTEGRATION) کے لئے کوئی سامان بہم پہنچے۔ اسی لئے اس میں بظاہر ایسی چیزیں نظر آئیں گی جن کو

بڑی آسانی سے "اخلاقی مضامین" کہہ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے، یا ایک بہت ہی بدنام موضوع یعنی "تصوّف" کا آئینہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔

میری گزارش یہ ہے کہ میں "اخلاقی مضامین" اور "تصوّف" — دونوں کا سزادار اپنے آپ کو نہیں سمجھتا، اور ویسے بھی یہ "اخلاقی مضامین" کا دور نہیں۔ پرانی مشرقی ثقافت میں جس چیز کو "حکمت و دانش" اور گُر کی باتیں کہا جاتا تھا، اب وہ تعصبات میں شمار ہوتی ہیں، اس عصری تقاضے کے علاوہ بھی "اخلاقی مضامین" پر سوچنے اور انہیں موضوعِ سخن بنانے کے لئے جس عظمتِ فکر و نظر اور وسعتِ تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے، میری کم مایگی کو اس سے کوئی نسبت نہیں، رہا تصوّف اور اس کے عوامل و عواقب؛ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ جہاں کہیں اِس "سی حرفی" میں ایسے مضامین آ گئے ہیں جن کو آسانی کی خاطر، تصوّف کے زمرہ میں شامل کیا جاسکتا ہے، وہ روایتی اور سُنے سنائے نہیں ہیں محض مشرقی

شاعری کی مفاہمتیں نہیں ہیں جن کو میں نے اپنے الفاظ میں پھر سے نظم کیا ہے، اور محض اس لئے نظم کیا ہے کہ برائے شعر گفتن یہ چیز خوب شمار کی گئی تھی۔ بلکہ یہ مضامین میرے تجربات کا ایک حصہ ہیں، اور ان کا کوئی تعلق تصوف کی اُن اعلام اور روایات سے نہیں، جو مفت میں بدنام رہیں اور اب تک ہیں۔

میں صرف "ورائے سخن" چند باتیں کہنے اور اپنے انداز میں کہنے کا گنہگار ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

ناگفتہ تو صد ہزار چنداں دانی

مختار صدیقی

حرفِ نامہ

فہرس

الف ———————— آغاز

حمد، نعت، منقبت

ایک وہ لوگ

آگ — طلعتِ نار سلسلہ

آبیار — آب سلسلہ

آج ملے — وصال سلسلہ

متفرق

ب	بول	سلسلہ
پ	پیار	سلسلہ
ت	تیرہ ہوئے اڑتیس برس	
	تاروں والی چھت	
ث	ثابت و سیارہ	
ج	جامۂ فقر	
	جب سے دل نے دھڑکنا سیکھا	
چ	چاک چلے	سلسلہ
	چڑھتے چاند	
ح	حیرت	سلسلہ
	حال بُرا.... اور	

خ	خاک	سلسلہ
	کوزہ نامہ	
د	دل	
	دید	
	متفرق	
ذ	ذرّہ	
ر	رُت آئے	
	رنج افسوس بلائیں ایسی	
	راہ کٹے گی	
ز	زہرہ وشوں	
س	سانس کی بیاکل ڈوری	سلسلہ

	سوزِ سخن	سلسلہ
	متفرق	
ش	شہر، بلاد اور بن ویرانے	
	شوخ شفق کی جوالا جولی	
ص	صورت و معنیٰ	
ض	ضبط ضرورت حال بھی ہوگا	
ط	طُورِ دلِ آگاہ	
ظ	ظاہر وحشت باطن آتش	
ع	عرصۂ عمر	
غ	غنچہ کل جس شاخ پہ چٹکا	
ف	فاصلے جگ جگ کے جو مٹے	

فاصلوں کی اس وحشت گہ میں

ق　قول و قرار

ک　کیا آواز ہے؟

کرنے کو ہر کام کیا ہے

گ　گھٹتے دن

گزرے دن

ل　لحظہ بہ لحظہ شام کی سُرخی

لوگ وصال کی رات کو ترسیں

م　ماہ رُخ و آئینہ سیما

منگتے بھیک ملے گی

ن　نورِ سحر

و واقفِ حال

ہ ہاں چین میں اور بے چینی میں

ہیرے لیے پاؤں

ہستی ہماری

ی یاس کا کھیل

ی ———————— حرفِ آخر

یوں بھی ہوا ہے

الف

آغاز

سادہ رُوئی میں نکتہ چیں تھے ہم
اب ہوئے حرف آشنا، صاحب!

(میرؔ)

حمد

ایک وہ ذات ــــ کہ جس کو سب نے کچھ سمجھا تو خُدا سمجھا
عالمِ سرِّ جاں بھی وہی ــــ نیرنگیٔ جلوۂ تن بھی وہی!
حُسن وہی اور حُسنِ نظر بھی ــــ ہم نے اِن کو جُدا سمجھا
تیرے رُوپ کی جوت وہی ــ اور میرے دل کی دُکھن بھی وہی!

نعت

ایک وہ ذات ــــ کہ جس کے لئے کونین کا کھیل رچایا گیا
نُورِ حرم اور گردِ حرم بھی آپ اپنا پروانہ ہوا
غایتِ کیف و کم بھی وہی ــ اُسے نورِ ازل سے بنایا گیا
بندہ صاحبِ شانِ خدا تھا ، شان یہ ہے کہ خدا نہ ہوا

ہیرے ایسے پاؤں کے نیچے ، نُور کے سوتے رواں دیکھے!
قطبین کے نُور کی دونوں لَویں، کونین میں جن سے چراغاں ہو
پاؤں کی خاک کے ادنیٰ ذرّے ، منبعِ کاہکشاں دیکھے!
جیسے کفِ پا — صبحِ ازل ہو! طُور کا مطلعِ تاباں ہو!

منقبت جناب امیر علیہ السّلام

ایک وہ ذات ـــــ کہ جو دیباچہ ، عالمِ علمِ نبوّت کا !
منبعِ آلِ عبا بھی وہی ، اور صفدر و شیرِ خدا بھی وہی
اُس کو حرم میں پیدا کر کے امامِ جہات بنایا گیا !
قبلۂ فقر و غنا بھی وہی ، اور لنگرِ ارض و سما بھی وہی

منقبت سیّد الشہداء

ایک وہ ذات وجود ہی جس کا، ضامن عصمتِ حق ٹھہرا
راکبِ دوشِ نبیؐ بھی وہی، غلطیدہ خاکِ بلا بھی وہی!
اس کا خون وہ خون ہے، جو اعجازِ شہادتِ حق ٹھہرا
محرمِ رمزِ رضا بھی وہی اور قبلۂ اہلِ رضا بھی وہی!

ایک وہ لوگ — بنایا گیا جنھیں چاندنی اور گُلِ تر سے
سامانِ نشاطِ دل بھی وہی، عنوانِ گُدازیٔ جاں بھی وہی!
ایک وہ لوگ — جو خلق ہوئے پروانگی اور خاکستر سے
دل اور دل زدگاں بھی وہی، اور ان کے فسانہ گراں بھی وہی!

آگ : طلعتِ نار

آبیار : آب

آج ملے: وصال

متفرق

طلعتِ نار

(آگ)

آگ میں آگ ہوئے — تو ہم نے آگ کا جوہر وا دیکھا
آگ تپش اور آگ ہی تابش — وہ میری، یہ پیاروں کی
آگ میں جل کر پاک ہوئے، تو آگ کو فیض نُما دیکھا
آگ ہی سے تو قدر ہوئی، دل والوں کی، مہ پاروں کی

آگ وہ طلعت — آپ جلے تو اور کسی کو جلا بھی سکے
آگ وہ نور و حضور — کہ جس نے طُور بنایا سینوں کو
آگ وہ جوہر — چاہے جسے، اکسیر اسی کو بنا بھی سکے
آگ گُداز اور آگ جِلا ہے — سینوں کے آئینوں کو

آگ ہی دل اور دل کی لگن بھی، جس کے لئے خاکستر ہم
ہم ہی نیاز و پرستش کے آدابؑ رسومؑ ادائیں بھی!
آگ ہی روپ، اور روپ کی طلعت جس کا سوز سراسر ہم
اِس میں جلیں بھی اور جئیں بھی، اس کو سب سے چھُپائیں بھی!

آگ ہی پیار ـــ الاؤ سے جس کے ہر اک دل بے چین بھی آگ!
آگ جُدائی ـــ جس کی لپٹ سے اُن بِن یہ دن رین بھی آگ!
آگ خزان و بہار ـــ کہ جس سے نغمہ، شعر اور بین بھی آگ!
آگ خُدائی ـــ صدقِ خلیل اور سوزِ یقینِ حسین بھی آگ!

آگ اور نُور میں دیکھنے کو، بس ایک تپش کا بَل دیکھا !
نُور سے ہے سنجوگ دلوں کا، آگ بِنا بیراگ نہیں!
صبحِ ازل، شب وادیٔ ایمن، نُور کی آگ میں جَل دیکھا
آگ سے نور جُدا نہیں ہوتا، نور بِنا کوئی آگ نہیں!

آگ جلے، سَو کاج سنوارے! خون جلے، اور کچھ بھی نہ ہو
آگ سُہاگ بھی عَالمِ تن کا، یہ جو نہیں تو سہاگ نہیں!
آگ اور خاک ہماری ہی، رہیں خاک تلے اور کچھ بھی نہ ہو
آگ سے نسبتِ دل بھی پُرانی، خاکی پھر بھی آگ نہیں!

آگ اور خاک کا ربط عجب، کبھی لاگ رہی، کبھی میل رہا
آگ ہی خاک کو مُنکرِ سجدہ، آگ ہی باغِ بہاراں تھی!
آگ کے کھوج میں خاک پیمبر، ایسا ہی تیرا کھیل رہا!
آگ مُغانِ کہن کی بُجھی، جب ایک تجلّی انساں تھی!

آبیار

(آب)

LIBRARY

گنجِ آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

(اقبالؔ)

آب ، منزّہ سمت و جہت سے ، آب ہی رنگ اور بے رنگی

ذاتِ خُدا اور موجِ ہوا ساں صورت و شکل سے پاک بھی آب!

آب ہی عطر اور آب ہی آنسو، کیسی فراخی کیا دل تنگی؟

آب سے آبرو بحرِ رواں کی ، حسرتِ خشکیٔ خاک بھی آب!

آب آور د اک گنجِ گراں ، ہر دیدہ و دل میں نہاں دیکھا

اشکِ رواں اور گریۂ خوں سے لوگ جسے موسوم کریں

نغمہ و شعر و نقش میں جس کو ظاہر و فاش و عیاں دیکھا

رنگ و نوا کے ساحر جب بھی ، حال اس کا مرقوم کریں!

آب — ہی بحر اور آب ہی قطرہ، آب شراب اور خون بھی آب
آب — رواں پاتال کی تہہ میں، آب سحابِ فلک تک ہے!
آب — ہی سمّ اور آب ہی زمزم، شعر کا تر مضمون بھی آب
آب — محیط کون و مکاں بھی، آب سما سے سمک تک ہے!

آب کے بطن میں مرجاں موتی، کیا کیا رُوپ حیات کے ہیں
کیا کیا خزینے، کتنے سفینے، کیسی کیسی بلائیں بھی!
بود و نبود کے کتنے زمانے عالم کیا نباتات کے ہیں!
کیسا تلوّن، کیا یکسانی، کیسی کیسی ادائیں بھی!

آب ہی شہد اور آب ہی اِمرت ، آب ہی مدبھری آنکھ کا رس

آب کو آب ملے جو صدف میں ، ایک درِ خوش آب بھی آب !

آب ہی یخ اور آب ہی لاوا ، آب گھٹا ، گرجائے برس

آب ہی جاں، پئے غارتِ جاں بھی، رحمت و عینِ عذاب بھی آب

آب وہ منصفِ ظرف ، کہ جس سے جو جس قابل ، اُتنا پالے

آب سے حسبِ نشیب جہاں میں ، دریا جھیلیں ساگر ہوں

آب کلی کے واسطے شبنم ، ساون رین کا حصّہ ، جھالے

آب کے تحفے خلد و حرم کو زمزمۂ و موجۂ کوثر ہوں !

آب ، رواں تنوّر سے ہو تو ہفت اقلیم بھی پانی پانی
آب ، وہ سوتے ، جن کے فیضان مونسِ ضربِ کلیم رہے!
آب ، وہ چشمۂ حیواں ، جس سے لوٹنے پر بھی سکندر فانی
آب ، شہادتِ حق کا بھی حیلہ ، آب رُکے اور خون بہے!

آج ملے ـــــــ

وصال

من و وَصلِ آں مہ خوبرو کہ چو شد صَدائے بلیٰ ، برو

بہ نشاط و قہقہہ شد فرو کہ اَنَا الشَّہِیدُ بکربلا

(قرۃ العین طاہرہ)

لوگ ، وصال کی رات کو ترسیں، ہم نے وصال کے دن دیکھے
جورِ تغافل ، نازِ تامّل ، سارے حجاب اٹھائے گئے!
پیاسی خاک اور ابرِ کرم کا ، ایسا پیارا ملاپ ہوا
زیست ہوئی عنوانِ تجلّی ، نُور ہی نُور ہوا سائے گئے

(۱)

ایک سمے میرا اُن کا ملنا، شمعوں کی خود سوزی تھا
کرتے کیا ہر ایک ملاقات ، ایسی فراق شمائل تھی
ایک ہی آگ تھی جبر نے جس کو بانٹا تھا دو شعلوں میں
ہم سوزی میں دیوارِ تامّل ہر عنواں سے حائل تھی!

آج ملے —— اس طور کہ جیسے آج ہی پہلی بار ملے
پہلے آمنے سامنے کی محتاط گریز آج بھی رہی
بات —— حجابِ تکلّف، لیکن آنکھیں ساتھ نہ دیتی تھیں
کہتی تھیں —— مری دنیا اب تک ترے بنا تاراج رہی

آج ملے —— یوں، جیسے ہمیں ہوں ملنے کے قابل دُنیا میں
اور، کہیں بھی ہم جو رہیں تو آنکھوں اور دلوں میں رہیں
سادگی میں جاں دادگی ایسی ہیچ ہوئے پر ولنے بھی
پیار میں ایسی پیاس، کہ جیسے آج ملے ہیں پھر نہ ملیں

آج ملے ـــــ اور آناً فاناً سارے حجاب اٹھائے گئے

اوس کلی کا بھی ربط فسانہ! جیسی ملاقات آج رہی!

تھا ہی نہیں کوئی فرقِ دوئی کا! سامان ایسے بنائے گئے

میرے بھی من کی موج ہوئی اور اُن کے تن کی بھی لاج رہی

آج ملے ـــــ اور اُن کے جِلو میں سایۂ ابرِ بہاراں تھا!

رُخ کے رنگ اُمنگ میں تاباں، طلعت شہرِ نگاراں تھی!

آنکھوں کی مخمور چمک میں، ایمنِ بادہ گُساراں تھا!

ایسے ملے ـــــ میری ہستی جیسے ان کی زیست کا عنواں تھی

آج ملے —— اور ہائے یہ ملنا، جس سے نہ ملنا بہتر تھا
خاک میں ملنا اچھا ہوتا! اس انداز کے ملنے سے
بیگانہ وشی یا عتاب کجُا، تحقیر میں "آپ جناب" کجُا
ذلتِ ہجراں بھی تو نہ تھے، یہ تیور جی بھر جانے کے!

اُونچی شاخ کے پھُول بھی دیکھے جن پر غش تھے گلشن بھی
ہم ایسے کچھ لوگ تھے ، جن سے یہ بھی محبّت رکھتے تھے
جس کا جو سنجوگ ملادے ، قدرت کی مختاری ہے !
غیر اسی مختاری پر ہی ، بارِ ملامت رکھتے تھے

آنکھیں — رنگ بدلنا سیکھیں — چرخ کی ہر نیرنگی سے!
آنکھ کے تل میں فلک کا نشیمن، اس کارن ہی بنایا گیا
موسمِ گُل کی کچی کلیاں، کم کم کھلنا سیکھ سکیں!
ہونٹوں کے ہر خم میں تبسم، نیم دلی سے چھپایا گیا

ایسی خلش کو چھپائے رکھنا، تیرے بس میں نہ میرے بس میں
سینے کتاں ہیں، دل صد پارا، آنکھیں نم یا روئی ہوئی
وہ جو حُسن ہے اور خدا بھی، اُس سے کون یہ پوچھ سکے
ایسی خلش تو دہکتی رہے اور قسمت رکھو سوئی ہوئی

آپ کے خوب اور زشت کا چکّر اپنی سمجھ میں آ نہ سکا
آج اچھّے، کل سخت بُرے تھے، کل آئے، تو بدتر ہوں
جس نے اس بھید کو پایا — وہ تو زبان ہلا نہ سکا
کون اچھّا ہے جس سے بُرے ہم؟ کس سے بہتر کیونکر ہوں؟

بول

ب

بول

متفرق

یہ انس و ملک، یہ جسم و جاں ہیں الفاظ

(فانی)

بول پُکاریں ، بول ہی نغمے ، ہم تو پردۂ ساز ہوئے!

ربطِ معنی و لفظ ہمیں ، اور غایتِ صوت و صدا بھی ہمیں

جب سے محرمِ راز ہوئے ہیں تب سے ہی بے آواز ہوئے!

یعنی ظرفِ نوا بھی ہمیں ، اور قیدیٔ رسمِ نوا بھی ہمیں!

بول ہی رس اور بول ہی امرت ، ہم تو ازل سے پیاسے تھے

بول سے سب کچھ جی بھی اٹھا تھا ، بول وہ چشمۂ حیواں تھا!

بول ہی جاں اور معنیٔ جاں بھی ، جس کے دم سے دلاسے تھے

بول کہے تو کلیم ہوئے ، اور بول سُنے ، تو قرآں تھا!

بول کہیں اور بول نہ سمجھیں بول سُنیں اور چِت نہ دھریں!

بول وہ بھید کہ جن کی تہوں کو کھول سکیں ، تو کھولیں بول

ہم نادان تو بول ہی بولیں بھید کا ان کے نہ دھیان کریں

بول کٹاریں ، بول ہی مرہم —— مورکھ ہم جو بولیں بول

پ

پیار

اگر ایں خاکداں را واشگافی
درونش بنگری خوں ریزیٔ عشق

(اقبالؒ)

پیار ، اخلاص کی سُونی راہیں ، راہ رَوؤں کو ترستی ہیں!

جُگ جُگ سے مُنہ تکتی رہی ہیں ، آئے گئے بنجاروں کے

مہر و وفا کی پیاری پھواریں ، سب کے دلوں پہ برستی ہیں

ذکر ، نباہ کا کم ہی دیکھا ، باب میں دُنیا داروں کے

پیار کے ساحل ڈھونڈنے والے ، موج صفت ناکام پھرے

پیار کے دریا بے ساحل ، ساحل ہے وہی ، جو ڈوب گیا

پیار کی منزل ایسی راہیں ، دل سے جو دل تک جاتی ہیں

پیار کی راہیں ، ترسی نگاہیں جن سے مرا محبوب گیا

پیار، اندیشے، پیار ہی دُبدھا، پیار کے بندے بے بس ہیں

پیار کے عالمِ وحشتِ دل میں، لاکھوں خاک بسر بھی ہوئے

پیار، یقیں اور پیار ہی جیوٹ، جو پالیں سو پارس ہیں!

پیار کو آبِ حیات بھی پایا، پی کر لوگ امر بھی ہوئے

پیار کے گاہک ایسے دیکھے، ہاتھ اُن کے بِک جانا پڑا!

جنسِ وفا کم یاب سہی، پر ایسی تو نایاب نہیں!!

دل دریا ہیں بحر سے گہرے، جو ڈوبے سو موتی لائے

قعر کے غوطہ زن ہی شناور، بہ پانی پایاب نہیں!

پیار ، اخلاص ، مروّت ، پیاری آس کے سارے آسرے ہیں
آس گئی تو آسرے کیسے؟ کوئی بَلا سے رہا نہ رہا!!
آس کے ساتھ ہی آسرے دیکھے ، دُنیا کے ، درویشی کے
جس کی آس گئی سو اس کا ، اور تو کیا ہے خُدا نہ رہا

پیارے لوگ سبھی کے پیارے ، ان سے بڑھ کر پیارا کون؟
جس کو یہ بھی پیارا سمجھیں وہ تو سب سے پیارا ہوگا
پیار نے میری لاج بھی رکھی ، میرے بگڑے کاج سنوارے
میرا انت بھی پیارا ہوگا ، پیار نے جس کو سنوارا ہوگا

پیار کی پیاس سے اور بھی پیاری، جس نے مجھے بھی پیار سمجھا
اس کا پیار بھی اتنا ہی پیارا، جتنی پیاری آپ ہے وہ!
اس کے پیار نے لاج رکھی ہے میرے سارے زمانوں کی
حال بھی وہ، فردا بھی وہی ہے، ماضی کی بھی چاپ ہے وہ

"پیار ہے یہ؟ تو نام گُریز کا مفت ہی میں بدنام ہوا؟"
"تم کو یقیں بھلا کون دلائے میری تو ہمّت ٹوٹ گئی!
ان باتوں کے بغیر بھی مجھ کو تم سے ہمیشہ پیار رہا
کیسا اُلٹا پیار ہے یہ میری ساری سُرخی چھُوٹ گئی!"

پیاری پیاری شکل پہ چھائی، تلخی کی پرچھائیں سی
پلکیں کانپیں، لرزے پپوٹے، آنکھیں نم تھیں اشکوں سے
ایسے لوگ بھی غم کی چبھن سے یارب کیوں آزاد نہیں
جن سے خواب ظہور میں آئے دونوں جہاں کی خوشیوں کے

پیار کیا، چاہے بھی گئے ہیں، شعر شعار بھی کر دیکھا
عقل و خرد سے بھی کام نہ نکلا، کچھ نہ چلی، تو فقیر ہوئے
اب جانا ——— کوئی فرق نہیں بے حالی اور بحالی میں
ڈھب جینے کا اب آیا کہیں، اڑتیس برس یونہی تیر ہوئے!

ت

تیرہوئے اڑتیس برس

تاروں والی چھت

تیرہ ہوئے اڑتیس برس بھی ، عہدِ شباب سراب ہوا
ہار کی تلخی ، جیت کے سپنے ، لاگ اور میت کے پھیر گئے!
دل نے تب بے حال رکھا تھا اب چاہا تو بحال کیا
کارِ جہاں جب ہیچ ہوئے ، تو ان کے یہ دیر اندھیر گئے

تاروں والی چھت کے نیچے ، جاگتے جاگتے رات کٹی !
دن نکلا تو کارِ جہاں کو جوں توں بھی اپنانا ہوگا
شمع کا چہرہ زرد ہوا ہے خاک پہ رکھو پیشانی !
کہہ دو : درد دیا تو داتا درماں بھی بتلانا ہوگا

ث

ثابت و سیّار

ثابت تم ، سیّار ہیں خاکی ، روز تمھاری شان نئی
تم ہر شان میں دائم و قائم ، خستہ نہاد و خراب ہیں ہم
جانِ جہاں تم ، ہم تو نہ پائیں جان بھی دیگر جان نئی
تم موجود خُدا ہی جو ٹھہرے انساں ہم ، نایاب ہیں ہم

ج

جَامۂ فقر

جب سے دل نے دَھڑکنا سیکھا

جامۂ فقر ملا اُن روزوں ، جب کہ ہم دیوانے تھے
ہوش آیا تو برہم دیکھی دُنیا ، دُنیاداروں کی !
اب یہ مشکل آن پڑی ہے ، جان رہے کہ جہاں رہے؟
آپ رہیں ؟ یا بات رہے ؟ ان جھوٹے سچّے سہاروں کی

جامۂ فقر ، وہ سوزِ الم بھی ، لوگ جلے اکسیر ہوئے
جامۂ فقر ، وہ چارۂ غم بھی ، ہم جس ضمن فقیر ہوئے!
جامۂ فقر ، محیطِ کرم بھی ، قطرے طوفاں گیر ہوئے
جامۂ فقر ، غلافِ حرم بھی ، ہم سے باتوقیر ہوئے!

جب سے دل نے دھڑکنا سیکھا ، ایک ہی کام کی بات سنی

آج ، غمِ جاں ، کل غمِ جاناں ، ایک یہ ایک اپنانا ہوگا!

پیار مروّت کے سب گاہک ، ساتھ نہ روئیں روتوں کے

کوئی شریکِ حال ملے ، تو آنکھوں پر بٹھلانا ہوگا!

چ

چاک چلے

چڑھتے چاند

چاک چلے

در کارگہِ کوزہ گراں ، کوزہ شویم!

(خیام)

چاک چلے ـــــ اور گیلی مٹی دَور میں گھومے ، چاک چلے

چاک چلے ـــــ اور ہاتھ بڑھیں ، اور گیلی مٹی صورت پالے

چاک چلے ـــــ اور حُسنِ خیال یہ صُورت چومے ، چاک چلے

چاک چلے ـــــ اور کاوشِ فن اب چاک کو چھوڑ جہاں اپنالے

چاک چلے ـــــ اور اس کے محیط میں کیا کیا پیکر گھر جائیں

چاک چلے ـــــ اور گِل کے حجاب سے ہر اِک پیکر ، عریاں ہو

چاک چلے ـــــ اور دیکھتے دیکھتے خاک کے دن بھی پھر جائیں

چاک چلے ـــــ اور سوزِ ہنر سے خاک طرازیٔ امکاں ہو!

چاک چلے ـــــ اور تودۂ گل کو شکل ملے اور نام ملے

چاک چلے ـــــ اور خاکِ جہاں اعجاز ہو خاک طرازی کا!

چاک چلے ـــــ اور کام ہنر کا خاکی کو انعام ملے

چاک چلے ـــــ اور پانسہ پلٹے خاک آفاق کی بازی کا!

چاک چلے ـــــ اور دَور سے اس کے خاک کے شام وسحر بدلیں!

چاک چلے ـــــ اور اس کے چلن سے، کوزہ گراں کی دکان چلے

چاک چلے ـــــ اور چال سے اسکی خاک کے صورت گر بدلیں

چاک کا دَور، افلاک کی گردش، چاک چلے تو جہان چلے

چاک وسیلہ، گلِ سرو ساماں، خاکی خاک طراز ہوئے
چاک اور خاک کا میل ہمیں اور اس کے امانت دار ہمیں
چاک اور گردشِ تودۂ گِل کو، حکم کے ہم جو مجاز ہوئے
چاک اور خاک کا کھیل ہمیں اور اس کا مآلِ کار ہمیں

چاند چڑھے ، اور روشنی ہووے ذکر و فکر میں ہیں اب تارے

مارے مارے پھریں بے چارے ، لعل و جواہر کے بنجارے

گھر سے بے گھر کاش نہ ہو کوئی ، خس خاشاک بھی جن سے پیارے

تالی بجا کے اُڑاؤ نہ باھو ہم تو آپ ہیں اُڑنے ہارے!

(ترجمہ از جناب سلطان باہوؒ)

چڑھتے چاند کو دیکھ کے ہم نے ، آج کہا یہ بیٹے سے !
تیرے چاؤ کا وقت جو آیا ہم دل ریش فقیر ہوئے
تم غنچہ ، ہم سُوکھی ڈالی ، تم کونپل ، ہم خار و خس
قدرت کا یہ کھیل ہے بیٹا ، ہم تم ، ہم زنجیر ہوئے

ح

حیرت

حَال بُرا—

حیرت

محو مجھ سا دمِ نظارۂ جاناں ہوگا!

آئینہ، آئینہ دیکھے گا، تو حیراں ہوگا!

(مومن)

حیرتیِ نظّارہ جو ہم ہیں ——— برقِ جمال نے کیا پایا؟

گُنگ زباں ، دل و ذہن معطّل ، کوئی تپش کا خروش نہیں

لوگ کہیں : کس مصرف کا ہے تم نے جو ذہنِ رسا پایا؟

ہم سوچیں : یہ دل بھی کیا ، جسے دادِ جمال کا ہوش نہیں

حیرتیِ نظّارہ جو ہم ہیں ——— یعنی ترا آئینہ ہیں !

رہ رہ کر تم دیکھو ہمیں ، اور دیکھو ، تو ہم دیکھیں تمھیں !

خود بینی اور دید کی حیرت ، مے اور کسوتِ مینا ہیں !

تیرا جمال ہے اپنا جوہر ، خود کو پائیں تو پائیں تمھیں !

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

حیرتیِ نظّارہ جو ہم ہیں —— برقِ جمال یہ کہتی ہے !
تم خیرہ ہوئے ہو جلوؤں سے ، یا اپنی نظر کی شعاعوں سے؟
تم کون ہو ، ہم نے جان لیا ! ہم کون ہیں تم تو نہ جان سکے
میل ملاپ کی بات بنے کس عنوان کن راہوں سے ؟

حال بُرا ـــــ اور حال میں سب کو شاکیٔ دورِ زماں پایا !

سب جاں دادۂ ماضی تھے ، یا گروِ فسونِ فردا تھے !

حسرت کرنا ، آس میں گھُلنا ، شیوۂ اہلِ جہاں پایا !

یعنی ، کل کو کیا کیا ہوں اور گزرے کل میں کیا کیا تھے !

خ

کوزه نامه

خود کوزه و خود کوزه گر و خود گلِ کوزه!

(خیام)

خاک میں خاک ہوئے تو ہم نے کُل اسرار کو وا دیکھا
خاک زرِ گل ، خاک گُلِ تر ، خاک ہی باغِ بہاراں بھی
خاک میں مِل کر پاک ہوئے تو خاک کو راہ نُما دیکھا
خاک ، مآلِ دل زدگاں بھی ، غازہ شہرِ نگاراں بھی!

خاک کا خاصہ عام یہ دیکھا ، اپنے اثر کا ظہور بنے
آگ میں آگ اور برف میں یخ ہو ، گرد غبار ، ہواؤں میں
برقِ جمال کی چھوٹ پڑے تو خاک کا تودہ ، طور بنے
خاک کا ذرّہ ایک کرن سے مہر لقا ہو فضاؤں میں

خاک ، مثالِ دونی و پستی ، خاک عیارِ بلندی بھی
خاک کے بطن میں خاک سے لیکر زمزم آگ اور ہیرے بھی
خاک ہی مامن خاک ہی مسکن ، خاک ہی مادرِ گیتی ہے
خاکی ، خاک میں ملنے ہی کو خاک کا سینہ چیرے بھی!

خاک کا سینہ ایسا دفینہ ، جس کا اور نہ چھور کوئی
خاک کا سینہ جو بھی چیرے خاک اُسی کو نہال کرے
خاکی اس مخلوق کے سینے یارب لتنے تنگ ہیں کیوں؟
خاک جسے بھی نہال کرے ، یہ ضرور اسی کا ملال کرے!

خاک لقا اک پیکرِ خوش کو صبحِ ازل تیرا نُور ملا!
خاکِ رسا، اک نُور سے یک شب تیرے راز و نیاز ہوئے
خاک نہاد وہ گھر بھی تو ہے جو قبلۂ خاکی و نوری ہے
خاکِ شفا بھی خاک ہی دیکھی، جس پہ سجودِ نماز ہوئے!

خاک کو بقعۂ نور بنائے دن کو مہرِ مُنیر ترا!
خاک پہ چاند کی چاندنی چھٹکے، چاند پہ چھوٹ ستاروں کی
خاک ہی تیرے جمال کی مظہر، خاکی جس کے عشق میں خاک
خاک ہی سے دلہائے طپاں بھی، پیاری صُورتیں پیاروں کی!

خاک نصیب کی ایسی سکندر، جس کے سامنے خاک ہیں ہم
خاک وہ نُور و حضور کہ جس سے طُور و کلیم کی دُھومیں بھی
خاکی خاک کو روندے اور تو خاک کو خاک سے پاک کرے
نُہ افلاک افق پر جُھک کر خاک کا ماتھا چُومیں بھی!

خاک سے تم، اور پھول رسیلے، پیڑ جوان سجیلے ہوں!
خاک سے ہم اور زرد پتاور، خاک بہار کی دُھومیں بھی
خاک کا جوہر وہ نیرنگی جس کے رنگ رنگیلے ہوں!
خاک کے گرد ہی چاند سے نُوری، روزِ اوّل سے گھومیں بھی

خاک تنوں کی بساط ہی کیا ہے ، دم اور غم کے بندے ہیں
دم اور غم کے یہ قیدی ، زندانیٔ شام و سحر بھی رہیں
آس کریں اور آسرے ڈھونڈیں ، کھائیں فریب اور پھر کھائیں
مر مر کر بھی زندہ رہیں ، بن آئی کسی پہ مر بھی رہیں

خاک تنوں کے دل بھی دیکھے ، پتّھر تھے ، یا کچھ بھی نہ تھے
کم کم ہی سنگین تہوں میں کوئی شرارِ سنگ بھی تھا
اور — شرار آغوش یہ دل ، خاکستر تھے ، یا کچھ بھی نہ تھے
اور — یہ دل تھے ، جن سے زمانہ خائف بھی تھا ، دنگ بھی تھا

خاک تنوں کے دل بھی دیکھے ، شہرِ ہزار افسانہ تھے!
جانے کے سَو راستے جس میں کوئی نہ تھا لوٹ آنے کا
اور ـــــ طلسم زدہ یہ باسی ، بے کل تھے کہ شکیبا تھے
ہر کوئی مضمون ، ہر کوئی عنواں اپنے اپنے فسانے کا!

خاک تنوں میں آنا پڑا تھا ، جب اور جیسے ، خدا لایا
جان سی شے یہ قالب پاکر ، کیسی خاک سواد ہوئی!
میں تو یہاں کبھی آپ نہ آتا ، اُس کا حکم بجا لایا
دادِ نعمتِ ہستی دوں ـــــ یا کہدوں ـــــ بڑی بیداد ہوئی

دل

دید

متفرق

دل

....اے دل ، اے دل

دل دریا ، صحرائے عدم بھی ، تم سا ہو جو خُد لئے دل
دل داتا ، کشکولِ گدا بھی ، مانگے بھیک نہ پائے دل
دل پیارا ، بیگانۂ دل بھی ، جل کر گھر کو جلائے دل
دل پیاسا ، سیرابِ ازل بھی ، دل سے جب مل جائے دل

دل اندھیارا ، طورِ طریقت ، ایمنِ صدق و صفا ہے دل
دل بیچارا ، قادرِ مطلق ، دل زدگان کا خُدا ہے دل!
دل انگارا ، خاک فسردہ ، ایسا جل کے بجُھا ہے دل!
دل صد پارا ، تم بے حِس ، اب کونسے دُکھ کی دوا ہے دل؟

دل ویرانہ ، شہرِ نگاراں ، قابلِ دید مقام بھی دل
دل دیوانہ ، گردِ خرد ، زندانِ صبح و شام بھی دل
دل میخانہ ، ریزۂ مینا ، ایسا شکست انجام بھی دل
دل پروانہ ، شعلۂ کشتہ ، تیری چاہ کا نام بھی دل

دل برباد آفاق بداماں ، بوقلموں ہیں عالمِ دل!
دل کا سواد ہیں تیرے جلوے ، کوثرِ نور ہے زمزمِ دل
دل کی نہاد اُس خاکِ شفا سے جو ہے دوائے اعظمِ دل
دل تنویر نژاد ہے پیاری ، طاہر و پاک ہے مریمِ دل

دل کا ظہور وہ برقِ تجلّی ، جس نے دل کو بنایا دل!

دل کا حضور ، وہ ربطِ باہم ، جس نے دل سے ملایا دل

دل کا شعور ، وہ نگہِ تغافل ، جس نے یاد دلایا دل

دل کا سرور ، وہ دُکھتی گھڑیاں ، رو رو جن میں کھُلایا دل

دل دریا — اور ایسے دریا خود ہی جن کے شناور دل

دل صحرا — اور ایسے صحرا جن میں خاک برابر دل!

دل داتا — اور کیسے داتا خود کشکول و گداگر دل!

دل داتا — اور نام کے داتا ، ٹھوکر کھائیں در در دل

دل دل ، سب کے وردِ زباں ہے ، جیسے سب نے گنوائے دل

دل دل ، نعرۂ دل زدگاں ہے ، اصل جو ہیں شہدائے دل

دل دل ، نغمۂ کون و مکاں ہے ، دل پہچانیں نوائے دل

دل دل ، ہی آوازۂ جاں ہے ، کوئی سُنے تو سُنائے دل

دید

بہرِ دیدارِ تو لبریزِ نگہ آمدہ ایم

(اقبالؔ)

دید کے لمحۂ اوّل ہی ، سب حیلۂ دل بے کار گئے !

سجدہ طلب تم جلوہ بہ جلوہ ، حیرتیں دید کی راہیں تھیں !

اب محرومی سوچے کیا تم جیتے یا ہم ہار گئے !

دل تو بہانہ جُو ہی رہا جو خیرہ ہوئیں وہ نگاہیں تھیں !

دید ہی جلوہ و حسرتِ جلوہ ، ہم تو ازل سے حیراں ہیں

آنکھیں دیں جو دیکھ نہ پائیں ، دل وہ دیا جسے تاب نہیں

دیدہ و دل ، کہاں دیدہ و دل ہیں ، حسرتِ دید کے عنواں ہیں !

حسن اور حسنِ نظارہ ورنہ تیرے لئے تو حجاب نہیں

دید ہوئی ــــ تو دید شنید ہیں لاکھوں کوس کا بُل دیکھا
حیلۂ شوق شنید فقط ، اور دید تو جنّتِ حیرت تھی !
طولِ امل تھے شنید کے چکّر ، دید کو جانِ امل دیکھا
دید سے قابلِ دید ہیں ہم بھی ، جس کی شنید کو حسرت تھی

دن گزرے ——— اور شام نہ گزرے! جی کا سدا جنجال بنے

دن کی طرح سے عُمر کی راتیں، کٹ ہی گئی ہیں بن گزری!

روز اور شب کا یہ وقفہ حائل جب بھی آئے وبال بنے

ہر اک شام جو اُن بِن گزری، ہم پہ کیسی کٹھن گزری!

دیس بدیس کی سیر بھی کی ہے، جب کہ ہم بنجارے تھے!
سوچ لیا تھا، چل پھر کر ہی اپنا جی بہلانا ہوگا
جوگ لیا، پر قائم رکھا، پردہ دُنیا داری کا!
اب اس پردۂ حائل کو بھی ہاتھوں ہاتھ اُٹھانا ہوگا

ذرّه

ذ

ذرّہ ، حیات کا مخزنِ جوہر ، جس سے ہم جہاں یاب ہوئے

ذرّہ ٹوٹا اور یہ جوہر ، خیرہ سری تھی تباہی کی!

ذرّہ خاک آفاق کا لنگر ، خاکی جس کا حجاب ہوئے

ذرّہ عقدہ قالب و جاں بھی ، جان ہے خود آگاہی کی!

۴

رُت آئے اور آ کر جائے، ڈوبے چاند اور نکلے چاند!
کیا کیا موسم چشمک زن ہوں سانس کی ایرا پھیری سے
تھم جائے ہر چلتا جھگڑا، دُھوپ کڑی ہو جائے ماند
کیا انوارِ سحر ہوں پیدا، کیسی رات اندھیری سے

رنج ، افسوس بلائیں ایسی جن سے نہ کوئی مَفر دیکھا

چاہیں تو زہراب بنادیں ، کوثرِ جان و زمزمِ دل !

ایسا کہیں تریاق نہ پایا ، جس کا ان پہ اثر دیکھا

ایسے وبال اُجاڑ کے رکھ دیں رَستا بَستا عالمِ دل !

راہ کٹے گی زیست کی جس دن ، نذرِ جاں گزرانیں گے
ہم سمجھیں گے سَستے چھُوٹے ، تن من دیکر چھُوٹ گئے
شکر کریں گے بیڑی کٹے گی جب اس ظاہرداری کی
جان میں جان آجائے گی جس دن موہ کے بندھن ٹوٹ گئے

ن

زہرہ وشوں ، آئینہ رُخوں کی عام یہ خام دلی دیکھی

جو چاہے وہ اور بھی چاہے، اس سے بیش، انھیں سب چاہیں

گلشنِ حُسن میں کوئی کلی ، جس وقت بھی ہم نے کھلی دیکھی

چشم براہ تھی ، دیکھئے ہم کو چاہنے والے کب چاہیں!

س

سانس کی ڈوری

سوزِ سخن

سانس کی ڈوری

حجابِ نام

کہ کشیدہ دامنِ فطرتت کہ میانِ ماؤ من آمدی؟

تو بہار عالمِ دیگری زکجا بہ این چمن آمدی؟

(بیدل)

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری ، ایک ہی نام جپے

ایک ہی نام ، کہ جو کبھی تیرا ، اور کبھی ہے خدا کا نام
ایک ہی نام ، کہ جس کے آگے ہر شے ہے بے نام
ایک ہی نام ، کہ اب جو بنے گا تیرے نام سے میرا نام!

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری، ایک ہی نام جپے!

ایک ہی نام ، کہ جس سے من میں چین بھی اور بے چینی بھی
ایک ہی نام ، کہ جس سے دل میں شہر بسا ہے خیالوں کا
ایک ہی نام ، کہ جس کی دُوری آگ ہے ، قُرب ، الاؤ!
ایک ہی نام ، جو ایک جواب ہے ، سُکھ اور دُکھ کے سوالوں کا

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری ، ایک ہی نام جپے!

ایک ہی نام ، کہ جس نے مٹائی رُوح کی اَن مٹ پیاس
ایک ہی نام ، کہ جس نے بندھائی دُور دراز کی آس
ایک ہی نام ، کہ جس کے ہوتے کوئی دُور نہ پاس
ایک ہی نام ، کہ جس کی ودیعت بے بنیاد ہراس

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری ، ایک ہی نام جپے!

ایک ہی نام —— کہ جو بیگانہ، یکتا اور یگانہ بھی!

ایک ہی نام —— جو رکھے پیاسا، ہو مئے بھی میخانہ بھی

ایک ہی نام —— کہ جس کی حقیقت افسوں بھی افسانہ بھی

ایک ہی نام —— جو میرے لئے ہی شمع بھی اور پروانہ بھی

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری، ایک ہی نام جپے!

ایک ہی نام — کہ جس نے کیا ہی حال سے یوں بے حال ہمیں

ایک ہی نام — کہ جس نے بنایا بلا جواب سوال ہمیں

ایک ہی نام — کہ جس نے بخشی، گھٹتے چاند کی چال ہمیں

ایک ہی نام — کہ جس نے بنایا پیڑ سے ٹوٹی ڈال ہمیں

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری، ایک ہی نام جپے!

سانس کی بیاکل ڈوری پیاری، ایک ہی نام جپے!

سَوال

سَو باتوں کی اک بات یہ پوچھوں، کیوں یہ "حجاب نام؟"

کون ہے؟ جس کے نام سے ہو بے نام، جو تم بَدنام؟

تفصیل:

کون ہے وہ؟ —— یہ کون بتائے، بات کے بھید سے بات
شعر شعار ہوا جس کا رَن، یہ بھی اُسی کے ہات

کون ہے؟ —— جس کی بات نویلی، بات میں ایسا دُلار
دل پر مرہم رکھے جیسے موسمِ گُل کی پھُوار!

کون ہے؟ —— جس کی بات سے بڑھ کر اور نہیں کوئی بات
ذکر اُسی کا، یاد اُسی کی، بیتے مرے دن رات!

کون ہے جس کا پیار بھی پیارا، جیسے بہار کا چاند
آپ ہی سونا، آپ ہی خوشبو، کچھ اُجلا کچھ ماند!

کون ہے جس کا ساتھ ہوا ہے، جان اور تن کا ساتھ
ایک ہیں مرنا جینا، جب سے ہاتھ میں آیا ہاتھ

کون ہے جس کے رُوپ کی ضَو سے ہم ایسے بھی حسین
تن سونا، من کُندن ہے اب، ہم سا نہ کوئی حسین

کون ہے؟ جس کے پیار کی منزل، ایسی دوبھر باٹ
پائے مژہ سے چلتے چلتے، عمریں دیجئے کاٹ!

سخن ھا:

سُن جاناں : کوئی چیز جہاں میں، جتنی بھی ہو انمول
مل جاتی ہے — گر اس کے لئے خود زلیست بنے کشکول!
سُن جاناں : میں تیرے لئے معبود نُما ہی سہی!
دلبر کیا جو دل ہی نہ رکھے، چاہے خدا ہی سہی!
سُن جاناں : یہ میل، یہ دُوری برکھا اور گھٹائیں
ساتھ نہ رہنے پائیں دونوں، ایک مگر کہلائیں!
سُن جاناں : یہ میل یہ دُوری، طولِ امل کے پھیر
دو روحیں ہوں ایک، تو قربت لازم دیر سویر!
سُن جاناں : یہ میل یہ دُوری، لمس ہوس کے چاؤ
دو روحیں ہوں ایک تو ان کے اور ہزار سبھاؤ!
سُن جاناں : یہ میل یہ دُوری — باس، کلی کی ادا
میل خدا نے ملایا جن کا، پھر بھی ہوں گے جُدا!
سُن جاناں : یہ میل یہ دُوری، پیاس کے ہیں وسواس
پیاس سے ہو سیرابی کیسے، پیاس بڑھائے پیاس

سُن جاناں: یہ پیار انوکھا —— جس کے اسیر آزاد
دونوں ہی آباد رہیں —— اور دونوں ہی برباد!

سُن جاناں: یہ میل یہ دُوری، آتے جاتے سانس
ملنے کے یہ سانس ہی لائیں پھر ملنے کی پھانس

سُن جاناں: یہ پیار انوکھا، میں گُل، تم شبنم ریز
میں خوشبو، تم اس کی حسرت، اس کارن کم آمیز

سُن جاناں: یہ رُوپ یہ طلعت، موم کا آب و رنگ
تیرے پیار کی حدّت ہی سے رنگ یہ شوخ اور شنگ

سُن جاناں: تم سب سے اچھے، تم سے بھی بہتر مَیں
تم منزل، میں حاصلِ منزل، تم رہرو، تو رہبر مَیں

سُن جاناں: یہ پیار انوکھا، میں باندی تم سردار
تم بندے، میں صاحب و مالک، میں ذرّہ، تم مختار!

سُن جاناں: میں پردہ سخن کا، عینِ سخن یہ لگن!
جس میں ہم تم دونوں برابر —— باقی باتیں فن!

سوزِ سخن

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات!

(اقبالؔ)

سوزِ سخن ، کبھی تیرا غم تھا ، جس میں غمِ جاں شامل تھا
اور کبھی آشفتہ نگاہی ، کاوشِ تند ، خیالوں کی !
سوزِ سخن ، کبھی دل کی کسک تھی ، جس کا سخن خود حاصل تھا
سوزِ سخن ، کبھی ضبطِ سخن بھی ، یعنی آنچ ملالوں کی

سوزِ سخن ، وہ حسنِ سخن بھی ، بول جو بولیں سجیلے ہوں
سوزِ سخن ، ہے گرمیٔ جاں بھی جس سے الاؤ سینے تھے
سوزِ سخن ، وہ دل کی جلن بھی جس سے چہرے پیلے ہوں
سوزِ سخن ، وہ زیست نشاں بھی ، موت کے جس میں قرینے تھے !

سوزِ سخن ، کبھی یہ تھا تپش زا ، زرد رُو شہر میں پھرتے تھے
وحشتِ دل کی بدولت سب سے بے لُطفی کی باتیں تھیں !
نیم رس ایسے ثمر تھے ہم بِن کارن ڈال سے گرتے تھے !
رات سے لمبے دن تھے ، دنوں سے اور بھی لمبی راتیں تھیں !

سونے گھر کی بھائیں بھائیں، دھڑکن سے آمیز ہوئی
ایسے کٹھور اکیلے پن میں، میں تھا، یا کہ خُدا میرا
کون دُعا کس نیک گھڑی کی، کس ساعت مقبول ہوئی
چاند اُترا یا گھر میرے آیا پیارا مہرلقا میرا!

شـــــ

تا

ـــــی

ش

شہر بلاد، اور بن ویرانے ——— ایک پکار کا گنبد پائیے!

"ہائے یہ تھا ——— اور اب نہیں باقی۔ ہائے وہ کل کیوں آج نہیں؟"

شہر اور شہرِ خموشاں دونوں، بُود و نبود کے مرقد پائیے!

جیسے دینا اور خوش رکھنا، آب اور گِل کا مزاج نہیں!

شوخ شفق کی جوالا جوتی ، تیج بنی ہے ماتھے کی!
چودھویں رات کے چاند کا سونا ، رنگِ رُخ میں حل دیکھا
اُجلی دھوپ اور پھیلے سائے ، دونوں ملے ہیں تلوّن میں
آنکھیں دیکھیں ــــ کہ جیسے ہم نے خود پر کاش کنول دیکھا

ص

صورت و معنیٰ کا یہ تفاوت دیکھ کے ہم کو جنون ہوا
تیری محبت ، تیری وفا اور تیرے دل کی سنگینی
فردا کے ہر بھید میں کیا کیا نہ در تہ پیچاک نہاں
اور میں اس طوفان میں تنکا جب سے تم نے سدھ چھینی

ض

ضبط، ضرورتِ حال بھی ہوگا پاسِ وضع کا تقاضا بھی
کس سے کہئے کیونکر ہم ہی اس کی نہ طاقت رکھتے تھے

بات کریں اس دور کی کس سے جب یہ حال تھا وحشت کا
دل کی جگہ ہم سینے میں صحرائے قیامت رکھتے تھے

ط

طُورِ دلِ آگاہ پہ پیاری ، اور ہی جلوہ کل دیکھا
چاک ہوئے تھے وجود کے پردے نُور ہی نُور تھا عالَم عالَم
تجھ کو ، ترے جمال کو دیکھا ، جلوۂ حُسنِ ازل دیکھا
یہ عنوانِ تجلّی کیا تھا ـــــ کیا کیا نُور ہوئے تھے بہم؟

ظ

ظاہر وحشت ، باطن آتش ، یعنی ظاہر و باطن — دل !

اس یک رنگی پر ہے نازاں اس کا خالق و ضامن دل !

یہ بھی ترا فیضانِ نظر ہے ، ورنہ کیا تھا تجھ بن دل !

دل ہے دل ترے پیار سے پیاری ! تیرے ہی پیار کا ہم سن دل !

ع

عرصۂ عمر میں کیا کچھ دیکھا ہونی ، شدنی ، نا شدنی

دیر اندھیر کے پھیر بھی دیکھے دل کو خون بھی کر دیکھا

ظرفِ تجلّی ، تابِ نظارہ ، کہنے ہی کی باتیں ہیں

مطلعِ طُور ہے ہستی جب سے آپ نے میرا گھر دیکھا

غ

غنچۂ گل جس شاخ پہ چٹکا ، آج وہ شاخ تہی ہے یہاں
پل بھر میں ہر چاند سی صورت ، صورتِ وہم و گماں بھی نہ تھی
ہر لمحے نے یہی ایک کہانی آتے جاتے کہی ہے یہاں
آنکھ کھلی تو موسمِ گُل تھا ، بند ہوئی ، تو خزاں بھی نہ تھی!

ف

فاصلے جُھک کے چومتے تو میری نگاہیں تم سے ملیں
مِل کے نہ پلٹیں ، اور میں تیرا ، تیری وفا کا غلام ہوا
جان اور تن کے ربط سے بڑھ کر میرے لئے ہو تم جاناں
اب تم ہی ملو یا موت ہی آئے ، راہیں تکنا کام ہوا

فاصلوں کی اس وحشت گہ میں رسمِ فراق کا راج رہا
ہم نے جانا سب کا جینا اک پیرایۂ ہجراں ہے
یک دو نفس کی فرصت بھی دنیا میں غنیمت جانیے گا
ملنا ہو تو مل بھی لیجئے جب تک صحبتِ یاراں ہے

ق

قول و قرار ، نظر کے سودے ، بات کھُلی تو بات بنی !

بات بنی ، تم صاحب و مالک ، میں بے دام غلام ہوا

بات کھُلے ، تو بات کا رکھنا تم کو نازِ خُدائی ہے !

میرے لئے اس بات کا رکھنا ، زندگی بھر کا کام ہوا !

قول و قرار کی بازی پیاری ، ہار کے جیتنی پڑتی ہے!
دل ہارے تو قول بھی ہارے ، اس بازی کی ریت یہی
نظروں اور دلوں کے سودے ، جان برابر ہوتے ہیں
جان دینا ہے قول کا دینا ، جان اور قول کا میت یہی!

ک

کیا آواز ہے جس کی کھنک میں دھیمے سُروں کے نغمے بھی
بات سجل ، انداز دُلارا ، لہجے میں رَس پھُولوں کا !
سحرِ کلام میں نازِ تجمّل ، طرزِ کلام میں اپنایت
وہ اپنایت خُون کرے جو دل زدگاں کے اُصولوں کا !

کرنے کو ہر کام کیا ہے کام کا کوئی نہ کام کیا!

ہو کے بُرے کہلائے اچھے ، بن کارن بھی بدنام ہوئے

تیرے پیار نے اب یہ سُجھایا کرنے کا کوئی کام کریں

تجھ پہ فدا ہوں اور ستد ہوں ، ہم سے خوش انجام ہوئے

ی

گھٹتے دن کے ساتھ ہی دل پر ، ایسا سوناپن چھایا
وحشت کا یہ ہوگیا عالم ، جیسے بَن پُرہَول کوئی!
تِل کی اوٹ پہاڑ دکھائے شاموں کی تنہائی نے
رات آئے اور حشر اُٹھائے بھولا بسرا قول کوئی!

گزرے دن سا وبال ہو ثابت آکر آنے والا دن!
آنے والے دن سے بھی بدتر، ہر اک جانے والا دن
اِس یکسائیٔ یاس سے یارب کب تک جی بہلانا ہوگا؟
کب آئے گا دِین سے تیری، دِین دلانے والا دن!

ل

لحظہ بہ لحظہ ، شام کی سُرخی ظلمتِ شب میں ڈوب چلی
حاکمئ تقدیر یہی ہے ، دن کو یونہی شب گیر کریں

شام — نیا دیباچۂ شیون ، لائی — اور محجوب چلی !
رات آئی — اور چاند نہ نکلا — تارے کیا تدبیر کریں ؟

۴

ماہ رُخ و آئینہ سیما اُن لوگوں کو دیکھا ہے
سب کی نظر کی خبر تھی جن کو، اپنی خبر گر تھی کہ نہ تھی
جاں دادہ اور از خود رفتہ ان لوگوں کو پایا ہے
جن کی ہستی عدم ہی تھی معدوم سراسر تھی کہ نہ تھی

مانگے بھیک ملے گی جس دن ، وہ دن بھی کبھی آئیگا
جس کے لئے ہر ایک دعا کو راندۂ بابِ اثر جانا
دیر اندھیر کا چکّر آخر ختم کبھی ہو جائے گا !
جس کے پھیر میں ہر ایک دن کو حیلۂ شام و سحر جانا

ن

نورِ سحر کی پہلی چھوٹ سے جاتی رات یہ کہتی تھی
دل زدگان سے تم ہی کہدو کوئی گھڑی آرام کریں
جاتی راتیں آتی صبحیں اور بہت سی آئیں گی!
دردِ فراق نہ جائے گا جب تک جان سی شے انعام کریں

و

واقفِ حال کا روز یہ کہنا: "اب کیا حال ہے، کیسے ہو؟"
مطلب یہ ہے" دانا ہو کر یہ کیا اپنا حال کیا؟"

"خوب کرو جو اہلِ کرم کے جُود کا کچھ نہ خیال کرو
ویسے فقیر وہی ہے دل سے جس نے ترکِ سوال کیا!"

۵

ہاں چین میں اور بے چینی میں بس ایک ذرا سا بَل دیکھا
چین ہے صبرِ محرومی ، اس سے چھُٹے تو بے چینی !
بے چینی ہی کا سراب ہے یہ، بہتیرا ہم نے سنبھل دیکھا
جس کے رُ پہلے پھیر میں پھنس کر، اور ہو دل کو بے چینی!

ہستی ہماری جزوِ عدم ہے ، جب تک آپ نہ چاہیں گے!
آپ آپے میں لائیں تو آئیں ورنہ آپ سے جائیں ہم
کیسا اندھا برزخ ہے جینے کی نقّالی کا —!
اپنے آپ میں آئیں آخر ، اس سے نجات جو پائیں ہم

ی

یاس کا کھیل انوکھی بازی جس میں ہار نہ جیت کوئی
اس چکر میں آجانے والے ، اس کے ہی پھیرے بھرتے ہیں
اس سے تو یہ جنوں ہی اچھا ، جس کے عالم وحشت میں
"ہم درویش تمہارے کارن ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں!"

صاحب طرز نثر نگار اور شاعر ابن انشاء مرحوم
کی یاد میں یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند
کی لائبریری کو پیش کی جاتی ہے

یوں بھی ہوا ہے ـــــ مانگے بِنا ہی موتی کیا، کونین ملے

یہ بھی ہوا ہے ـــــ تیرے در سے مانگے بھیک نہ پائی بھی

یوں بھی ہوا ہے ـــــ برسوں ترسے، کچھ نہ ملا، محروم رہے

یہ بھی ہوا ہے ـــــ تو کبھی ملی اور وہ بھی، اسکی خدائی بھی!